© rasailojaraid.com

(۱)

زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟

مولانا محمد شہاب الدین ندوی، (بنگلور)

نواب صدیق حسن اور فقہائے احناف کے فتاویٰ

فی سبیل اللہ کا مفہوم نواب صاحب کے نزدیک:-

علامہ صدیق حسن خاں بخاری قنوجی رح (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء)[1] ایک مشہور اہل حدیث عالم اور عصر جدید کے ایک بہت بڑے مصنف گزرے ہیں۔ جن کے علم و فضل سے متاثر ہو کر ملکۂ بھوپال نے آپ سے نکاح کر لیا تھا، اور اسی بناء پر آپ نواب بھوپال کہلائے۔ اگرچہ موصوف ایک کٹر اہل حدیث عالم تھے، اور اسی بنا پر احناف کو ان سے بعض مسائل میں شدید اختلاف بھی ہے۔ مگر جہاں تک آپ کے علم و فضل اور وسعت معلومات کا تعلق ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ علمی اختلافاً

---

[1] دیکھئے الاعلام خیر الدین زرکلی، ۶/۱۶۷، ۱۶۸، بیروت، ایڈیشن ۱۹۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ایک فطری چیز ہیں، مگر انہیں صرف علمی حدود ہی تک محدود رہنا چاہیے۔ اور انہیں امت کے درمیان نزاع وانتشار کا باعث نہیں بنانا چاہیئے۔

بہر حال موصوف کے نزدیک سبیل اللہ سے مراد (مطلق) اللہ کی طرف لے جانے والا راستہ ہے، اور جہاد (عسکری) اگرچہ اللہ کی طرف لے جانے والا سب سے بڑا راستہ ضرور ہے۔ مگر اس کے اسی مد (سہم) کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق ہر اس راستے پر ہو سکتا ہے، جو اللہ کی طرف لے جانے والا ہو۔ یہ اس آیت (توبہ ۶۰) کے لغوی معنی ہیں۔ اور جب یہاں پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے تو اسے لغوی معنی پر قائم رکھنا واجب ہے۔

واما سبيل الله فالمراد هنا الطريق اليه عزّ وجلّ. والجهاد وان كان اعظم الطرق الى الله عزّ وجلّ، لكن لا دليل على اختصاص هذا السهم به، بل يصح صرف ذلك في كل ما كان طريقاً الى الله عزّ وجلّ. هذا معنى الآية لغةً، والواجب الوقوف على المعنى اللغوية حيث لم يصح النقل هنا شرعاً۔ ؎

مختلف مسلکوں میں تطبیق :۔

راقم سطور نے پچھلے صفحات میں جو بحث کی ہے وہ حدیث نبوی ؐ کے بعض نصوص کے پیش نظر ہے کہ فی سبیل اللہ میں جہاد (عسکری) کے علاوہ اور کون کون سے مفہوم ومصداق شرعاً ثابت ہوتے ہیں لیکن جہاں تک فی سبیل اللہ

؎ :۔ الروضۃ الندیۃ، صدیق حسن خاں، ۱/۲۰۶، مطبوعہ قطر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو مطلق طور پر (بلا کسی شرط کے) عام کر دینے کا سوال ہے، تو اگرچہ قرآن اور حدیث میں اس سلسلے میں کوئی بندش تو نظر نہیں آتی، مگر پھر بھی یہ بات مزید غور و خوض کی محتاج ہے، ہاں البتہ یہ بات علامہ ابن جوزیؒ اور مفسر رامعانیؒ کی تفسیر کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال اس موقع پر نواب صاحب کے اس دعوے کو یکسر رد کر دینا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن جیسا کہ کتاب ہذا کے آخر میں ڈاکٹر قرضاویؒ اور علامہ سید رشید رضا کے افکار کے ضمن میں بحث کی جائے گی۔ اگر نواب صاحب کے اس فتوے کو کہ "خدا کی طرف لے جانے والا ہر راستہ فی سبیل اللہ میں داخل ہے، "امت کے "اجتماعی امور" سے متعلق قرار دے دیا جائے تو پھر سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔ اور یہی بات ملک العلماء امام کاسانیؒ کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ "تمام امور خیر" سے مراد "اجتماعی امور خیر" ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ سابقہ ابواب میں علامہ ابن نجیمؒ کی بعض تصریحات کی روشنی میں اس اصول کے مطابق تطبیق دیتے ہوئے "جہاد اجتماعی" اور "جہاد انفرادی" پر محمول کیا گیا ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص "جہاد اجتماعی" میں مشغول ہو وہ فی سبیل اللہ کے تحت آسکتا ہے، اور جو شخص "جہاد انفرادی" میں مشغول ہو، (صرف اپنی ذات کے لئے جد وجہد کرنے والا) وہ فی سبیل اللہ کے تحت نہیں آ سکتا بلکہ وہ محتاج ہونے کی صورت میں مصارف زکاۃ کی پہلی مد کے تحت (فقراء کے ذیل میں) آکر زکاۃ کے مال سے مستفید ہو سکتا ہے۔

اس تشریح و توضیح سے اس سلسلے کے سارے اختلافات دور ہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتے ہیں، اور ہماری اُمت کے مختلف اقوال و آراء میں تطبیق کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس اعتبار سے مختلف طبقات اور مسلکوں کے درمیان موجود شدہ باہمی اختلاف کو دور کرنا اور ہماری امت کو ذہنی و فکری انتشار اور باہمی سر پھٹول سے بچانا بہت ضروری ہے۔ اور یہ کام پختہ فکر اور صاحب بصیرت علماء ہی انجام دے سکتے ہیں، ورنہ معترض جیسے لوگ تو فقہ و شریعت کو مداریوں کا کھیل تماشہ بنا کر پوری اُمت کو گمراہ کرنے کے رکھ دیں گے۔ چنانچہ معترضؔ نے اپنے مضمون کے شروع میں عصر حاضر کے بعض علماء و مفسرین پر گمراہی کا جو "فتویٰ" صادر کیا ہے اس کا خاص نشانہ نواب صاحبؒ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ تحریر کرتے ہیں :

" تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں دوسرے فاسد رجحانات کی طرح یہ رجحان بھی پروان چڑھا کہ احادیث و آثار، متقدمین کی تفاسیر سے قطع نظر صرف لغت اور عربی ادب کے ذریعہ قرآن کی تفسیر کی جائے۔ تفسیر کے سلسلے میں یہ منحرف رجحان بعض گمراہ فرقوں میں ماضی میں موجود تھا، انیسویں صدی میں زور پکڑنے والی "مغربی عقلیت" نے اس مردہ رجحان کو نئی زندگی بخشی، مغربی فکر و فلسفہ کی سحر انگیزی کے زمانہ میں بیسویں صدی کے بعض قابلِ قدر مفسرین بھی غیر شعوری طور پر اس رجحان سے متاثر ہوئے۔" سلہ

ما ئلہ میں قلم آجانے کا یہ مطلب تو نہیں کہ آدمی بلا سوچے سمجھے محض

سلہ : ماہنامہ الفرقان، اپریل ۱۹۸۸ء ص ۲۶ و ۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی نفسانی خواہش کے تحت جو چاہے لکھنا شروع کر دے، چنانچہ ابتدائی ابواب میں اُن کے اس کذب و افتراء کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے علمی دلائل کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے، کہ یہ مفروضہ گمراہ کن رجحان "تیرھویں اور چودھویں صدی میں نہیں بلکہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں پروان چڑھ سکا ہے، اور اس طرزِ فکر کے موجد کوئی اور نہیں بلکہ خود علمائے احناف ہیں[1] اور ایسے ہی موقعوں پر قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ صادق آتی ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ، بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جسے وہ سمجھ ہی نہ سکے۔ اور ابھی تک اس کی حقیقت ان پر کھلی نہیں۔ (یونس، ۳۹)

نواب صاحب اور فقہائے احناف۔

اب جہاں تک نواب صاحب کے اصل فتوے کا تعلق ہے، جس پر انہوں نے تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے تو وہ تین نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ فی سبیل اللہ کے صرف جہادِ عسکری کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔

۲۔ مجاہد باوجود غنی (یعنی صاحبِ نصاب) ہونے کے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

۳۔ اور فی سبیل اللہ میں منجملہ دیگر امور کے خاص کر علماء بھی شامل ہیں۔

تو نواب صاحب کے یہ فتاویٰ اگرچہ بظاہر انوکھے اور [illegible]

[1] دیکھئے کتاب ہذا کا دوسرا باب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ حنفی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت ان میں اور فقہ حنفی میں معنوی اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، خواہ الفاظ و عبارت کتنی ہی بدلی ہوئی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ نواب صاحب کا پہلا نکتہ ملک العلماء علاء الدین کاسانی حنفیؒ کی اس تصریح کے عین مطابق ہے۔

باری تعالیٰ کے قول "اور اللہ کے راستے میں" سے مراد تمام قربتیں (امور خیر) ہیں۔ لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے، جو اللہ کی فرمانبرداری اور خیر کے راستے میں جدوجہد کر رہا ہو۔ جب کہ وہ محتاج ہو۔

واما قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب، فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات اذا کان محتاجا۔ [۱]

دیکھئے یہاں پر دونوں نے فی سبیل اللہ کا لغوی مفہوم ہی مراد لیا ہے نہ کہ اصطلاحی۔ لہٰذا اگر معترض اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک نواب صاحب قابلِ گردن زدنی ہیں تو پھر علاء الدین کاسانی کیوں نہیں ہیں؟ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے مسلک کے ایک بزرگ کو تو بخش دیا، مگر مخالف مسلک رکھنے والے کی گردن ناپنی شروع کر دی! اصول تو سب کے لئے ایک ہی ہونا چاہئے۔

دوسرے نکتہ پر نواب صاحب نے بالتفصیل تحریر کیا ہے کہ مجاہد کے مالِ زکاۃ سے مستفید ہونے کے لئے "شرعی فقیر" (یعنی صاحب نصاب نہ ہو) ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات قرآن اور حدیث کے ظاہری نصوص سے

---

[۱] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۲/۴۵ مطبوعہ کراچی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت بعید ہے۔ اور صحابہ کرام بھی غنی اور مالِ زکوٰۃ سے بطور عطایا ہرسال مستفید ہوا کرتے تھے۔ اور ان میں غنی و فقیر دونوں قسم کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ اور بعض صحابہ کو کئی کئی ہزار (درہم) دیے جاتے تھے۔ اور ان لوگوں سے ایسی کوئی بات مروی نہیں ہے کہ ان عطایا میں مالداروں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور جس شخص کو اس قسم کا دعویٰ ہو تو اس کے لئے دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔ اگر اس موقع پر یہ حدیث پیش کی جائے جس میں کہا گیا ہے کہ "زکوٰۃ کسی مالدار کے لئے جائز نہیں ہے" تو ہم کہیں گے کہ مصارف زکوٰۃ کی آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے ایک فقیر (محتاج) ہے تو جس شخص میں سوائے محتاج ہونے کے اور کوئی دوسرا وصف (مذکورہ بالا آٹھ قسموں میں سے) موجود نہ ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جب وہ غنی ہو جائے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا۔ (کیونکہ فقیر ہونا غنی ہونے کی ضد ہے) لیکن اگر وہ فقر واحتیاج کے علاوہ کسی اور وصف کے تحت (یعنی مجاہد یا غارم (قرضدار) وغیرہ ہونے کی حیثیت سے لیتا ہے تو اس صورت میں وہ فقیر ہونے کی حیثیت سے نہیں لے رہا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس کا غنی ہونا، اس کے لیے مالِ زکوٰۃ سے مستفید ہونے میں حارج نہیں بنتا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ مجاہد، غارم (اور عامل) وغیرہ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لو۔

وأما اشتراط الفقر في المجاهد فهي غاية البعد بل الظاهر إعطاؤه نصيبا وإن كان غنيا۔ وقد كانت الصحابة رضي الله عنهم يأخذون من أموال الله عز وجل التي من جملتها الزكاة في كل عام ويسمون ذلك عطاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دفعهم الأغنياء بالفقراء، وكان عطاء الواحد منهم ألوف متعددة، ولم يسمع عن أحد منهم أنه لا نصيب للأغنياء في العطاء۔ ومن زعم ذلك فعليه الدليل۔ فإن قال الدليل حديث: "إن الصدقة لا تحل لغني"، قلنا: أصناف مصارف الزكاة ثمانية، أحدها الفقير، فمن لم يكن فيه إلا كونه فقيرًا بدون اتصافه بوصف آخر من أوصاف أصناف مصارف الزكاة، فلا ريب أنه إذا صار غنيًا لم تحل له، وأما من أخذها بمسوغ آخر غير الفقر، وهو كونه مجاهدًا أو غارمًا أو نحوهما فهو لم يأخذ لكونه فقيرًا حتى يكون الغنى مانعًا، بل أخذها لكونه مجاهدًا أو غارمًا أو نحوهما، فتدبر هذا فهو مفيد۔[1]

چنانچہ تیسرے باب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد خاص امام محمد بن حسن شیبانی رح نے اپنی مؤطا میں ایک حدیث نقل کرکے امام صاحب کا یہ فتویٰ بیان کیا ہے کہ غازی اور غارم (قرضدار) کے لئے زکاۃ کی رقم لینا ناجائز نہیں، بلکہ صرف یہ مستحب ہے جبکہ قرضدار کے پاس اتنا مال موجود رہے جس سے اس کا قرضہ ادا ہوکر اتنا مال بچ جائے جس پر زکاۃ واجب ہوسکتی ہو۔

والغازي في سبيل الله إذا كان له عنها غنى ينفذ لا

---

[1] الروضة الندية ۱/۳۰۶ و ۳۰۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقتاء من الغزو فی سبیل اللہ لم یستحب لہ أن یأخذ منہا شیئاً۔ وکذلک الغارم اذا کان عندہ وفاء بدینہ وفضل تجب فیہ الزکاۃ، لم یستحب ان یأخذ منہا شیئاً، وھو قول أبی حنیفۃ۔ ؎

نیز علامہ جصاص رازی حنفیؒ نے بھی مجاہد کے لئے بعض حالات میں (مستقل طور پر نہیں) زکاۃ کی رقم لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث لا تحل الصدقۃ الا فی سبیل اللہ (زکاۃ بینا صرف فی سبیل اللہ کی صورت میں جائز ہے۔) کی تشریح میں تحریر کرتے ہیں۔

کوئی شخص اپنے شہر اور اپنے اہل وعیال میں اس طور پر مالدار ہو کہ اس کے رہنے کا گھر مع اس کے اثاثے (فرنیچر وغیرہ لوازمات) خدمتگار خادم اور سواری کے گھوڑے کے علاوہ دوسو درہم (۵۲ تولے) چاندی یا اس کے مساوی قیمت کا مال زائد طور پر موجود ہو اس کے لئے زکاۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہے، ہاں جب وہ غزوہ (جہاد) کے سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے سامان سفر اور ہتھیار وغیرہ کی تیاری کی ضرورت پڑتی ہے تو اس صورت میں ان چیزوں کی تیاری پر اگر اتنا خرچ آجائے کہ اس کے اقامت ہی کی حالت میں وہ محتاج بن جائے تو اس صورت میں اسے زکاۃ کی رقم لینا جائز ہوگا۔

قد یکون الرجل غنیاً فی اھلہ و بلدہ بدار یسکنھا واثاث بیتہ یتأثث بہ فی بیتہ وخادم یخدمہ وفرس

؎: مؤطا امام محمد، ص ۱۶۹، مطبوعہ کراچی، ص ۱۲۰ مطبوعہ دار القلم بیروت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يزكيه فله فضل مائتى درهم او قيمتها، فلا تحل له الصدقة، فاذا عزم على الخروج فى سفر غزو واحتاج من آلات السفر والسلاح والعدة الى مال لم يكن محتاجا اليه فى حال اقامته، فينفق الفضل عن اثاثه وما يحتاج اليه من مصره على السلاح والآلة والعدة فتجوز له الصدقة۔ ھ

اگرچہ یہ اجازت بھی مشروط طور پر ہے، مگر پھر بھی فقہ حنفی "مالدار مجاہد" کو زکوٰۃ دینے کے اصول سے یکسر نا آشنا نہیں ہے، جبکہ اس سلسلے میں اوپر مذکور امام محمدؒ کے فتوے میں زیادہ توسع ہے، جو بغیر کسی شرط کے ہے، اور اس فتوے کی رُو سے کسی مالدار مجاہد کو زکوٰۃ کی رقم دینا کسی فرد کا ایک انفرادی و اخلاقی معاملہ ہے اور اسے قانون کے دائرے میں محصور نہیں کیا جا سکتا۔

اب جہاں تک نواب صاحب کے فتوے کے تیسرے نکتے کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اور معرکۃ الآراء ہے، جو اس پوری بحث کا اصل مقصود ہے۔ چنانچہ موصوف تحریر کرتے ہیں:

فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کی ایک صورت ان علماء پر خرچ کرنا ہے جو مسلمانوں کی دینی مصلحتوں میں لگے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کے مال میں ان کا بھی حصہ ہے، خواہ وہ مالدار ہوں یا محتاج، بلکہ اس مصرف میں خرچ کرنا بہت اہم بات ہے۔ کیونکہ علماء انبیاء کے وارث اور دین

ھ۔ احکام القرآن، جصاص رازی، ۱/۱۲۷، دار الکتاب العربی، بیروت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عامل ہوتے ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے اسلام کی آن بان قائم ہے اور شریعت اسلامیہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ علمائے صحابہ عطیات سے اتنا لیتے تھے کہ اس سے نہ صرف ان کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں بلکہ جو محتاج اُن کے پاس آتے ان کی ضرورتیں بھی وہ پوری کر دیتے تھے اور یہ بات ان کے بارے میں بہت مشہور ہے۔ ان میں بعض (صحابہ) ایک لاکھ درہم سے بھی زیادہ لیتے تھے۔ اور من جملہ اُن اموال کے جو (اس دور میں) اس طرح تقسیم ہوتے تھے۔ ایک مال زکاۃ بھی تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں حضرت عمرؓ سے فرمایا، اس مال سے جو کچھ تمہارے پاس آ جائے۔ جبکہ تم اس مال کے نہ تو خواہش مند ہو اور نہ مانگنے والے ہو تو اسے (چپ چاپ) لے لو۔ اور جو بات ایسی نہ ہو اُس کے پیچھے نہ پڑو۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اُس وقت فرمائی جبکہ حضرت عمرؓ نے اس قسم کا مال لینے میں پس و پیش کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ) آپ یہ مال اُسے عنایت فرمائیں جو مجھ سے زیادہ اس کا محتاج ہو۔

ومن جملة سبيل الله المصرف في العلماء الذين يقومون بمصالح المسلمين الدينية، فإن لهم في مال الله نصيباً، سواء كانوا أغنياء أو فقراء، بل الصرف في هذه الجهة من أهم الأمور، لأن العلماء ورثة الأنبياء وحملة الدين، وبهم تحفظ بيضة الإسلام وشريعة سيد الأنام. وقد كان علماء الصحابة يأخذون العطاء ما يقوم بما يحتاجون إليه مع زيادات كثيرة، [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بما فيه قضاء حوائج من يرد عليهم من الفقراء وغيرهم والأمر في ذالك مشهور، ومنهم من يأخذ زيادة على مائة الف درهم ومن جملة هذه الأموال التي كانت تنزوي عن المسلمين على هذه الصفة الزكاة، وقد قال صلى الله عليه وسلم لعمر لما قال له: يعطي من هو أحوج منه: «ما أتاك من هذا المال وأنت غير مستشرف ولا سائل، فخذه، وما لا فلا تتبعه نفسك» كما في الصحيح، والأمر ظاهر۔[1]

نواب صاحب کا یہ فتویٰ بڑا فکر انگیز اور قرآن و حدیث کے بہت سے حقائق و معارف کا جامع ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کے بعض مباحث پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اور خاص کر امام بخاریؒ کا وہ فتویٰ جس میں مجاہدینِ اہلِ علم ہیں۔ اور اس سلسلے میں "مجاہدینِ علم" کے تعلق سے بہت سے اسرار و حقائق اگلے مباحث (حصۂ سوم) میں آرہے ہیں، جو علمی دنیا کے لئے چونکا دینے والے ہوں گے، اور ان مباحث سے دین میں "جہادِ علمی" کی حقیقت انشاء اللہ پوری طرح بےنقاب ہو جائے گی۔

مگر اس موقع پر حسب وعدہ نواب صاحب کے اس فتوے کی تطبیق فقہ حنفی سے دکھانا ہے۔ چنانچہ چوتھے باب میں فقہائے احناف اور خاص کر علامہ علاء الدین حصکفیؒ صاحبِ درمختار اور

---

[1] الروضة الندية ١/٢٠٧

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار کے فتاویٰ کے مطابق جو طلبہ یا علماء علمی افادے اور استفادے میں لگے ہوئے ہوں وہ مالدار ہونے کے باوجود زکاۃ کی رقم لے سکتے ہیں۔ کیونکہ اپنی علمی مشغولیت کی بناء پر وہ معاشی جدوجہد سے عاجز رہتے ہیں۔

وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من ان طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب۔ ۱؎

اور ابن عابدین اس فتوے کی توثیق کرتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں کہ: انسان اشیائے ضروریہ کا محتاج ہوتا ہے، جن سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر اُسے (معاشی اعتبار سے) کوئی پیشہ اختیار کیے بغیر زکاۃ کی رقم لینا جائز نہ ہو تو جو کچھ اس کے پاس (سرمایہ) موجود ہو گا اُسے خرچ کر کے وہ محتاج بن جائے گا۔ نتیجہ یہ کہ وہ علمی افادہ و استفادہ سے منقطع ہو جائے گا۔ اور اس بنا پر دین کمزور پڑ جائے گا۔ کیونکہ اس کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا موجود نہ رہے گا۔

والمعنى أن الانسان يحتاج الى أشياء لا غنى منها فحينئذ اذا لم يجز له قبول الزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ما عنده ومكث محتاجاً، فينقطع عن الافادة

۱؎ دُرمختار برحاشیہ ردالمحتار ۲/۶۵ مطبوعہ کوئٹہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالاستفادة، فيصعف السعى بعدم من يعلمه ۔ [1]

اس بحث سے بخوبی واضح ہوگیا کہ نواب صاحب کے اس معترضانہ فتوے اور فقہ حنفی میں سرے سے کوئی اختلاف نہیں ہے، سوائے اجمال و تفصیل کے، لیکن اس کے باوجود نواب صاحب کے فتوے کو غلط یا مردود قرار دینا نہ صرف ضد اور عناد کا نتیجہ ہے [2] بلکہ خود اپنی ہی فقہ سے ناواقفیت کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے جسے سوائے تعصب، علم دشمنی اور علمی اداروں سے بغض و حسد کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور یہ فتاوی ہماری ملت کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

زکاۃ کے بعض حقائق و ضوابط:-

بہرحال نواب صاحب کے اس فتوے اور اس بحث سے بہت سے حقائق و معارف ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان کا جال معلوم کرنے سے پہلے بخاری و مسلم کی وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے جس کا حوالہ نواب صاحب نے مذکورہ بالا فتوے میں دیا ہے:-

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال سمعت عمر يقول كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيني

---

[1] رد المحتار (فتاویٰ شامیہ) ۶۵/۲۔

[2] ملاحظہ ہو ماہنامہ الفرقان، نومبر ۱۹۸۸ء جس میں معترض نے اصل مسئلے کو نظر انداز کر کے غیر متعلق اور دور دراز کا مباحث چھیڑ دیے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفقراء، فما يقول: أعطه من هو أفقر إليه مني، فقال له: إذا جاءك من هذا المال شيء وأنت غير مشرف ولا سائل فخذه، وما لا فلا تتبعه نفسك ؎

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد حضرت عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (بارہا) عطیہ دیا کرتے تھے۔ اور میں کہا کرتا کہ آپ اس شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ اس مال کا محتاج ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ اس مال میں سے تمہارے پاس آجائے اور حال یہ ہو کہ تم نہ تو اس مال کے خواہش مند ہو اور نہ طلبگار، تو اسے (خاموشی سے) لے لو۔ اور جب یہ بات نہ ہو تو پھر اپنے نفس کو اس (مال) کے پیچھے نہ لگاؤ۔ ؎

یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ جب کہ مسلم کے الفاظ میں کچھ فرق ہے جو اس طرح ہے :-

فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذه فتموله أو تصدق به. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے لے لو اور پھر اسے یا تو (اپنے پاس بطور مال رکھ لو، یا کسی دوسرے) کو دے دو۔ ؎

اس بحث سے کئی علمی مسائل نکلتے ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ زکاۃ کا مال اہل کو دینا اور ان کو لینا بالکل جائز ہے۔

؎ صحیح بخاری، وجوب الزکاۃ، ۲/۱۳۳ مطبوعہ استنبول ۱۹۸۱ء

؎ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، ۲/۷۲۳ مطبوعہ دارالافتاء ریاض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ علما کو دست سوال دراز نہیں کرنا چاہئے، جو ان کے مقام و مرتبے کے خلاف ہے۔

۳۔ اہل خیر حضرات کا فرض ہے کہ وہ مستحق علماء کو تلاش کرکے زکاۃ و عطیہ جات خود اُن تک پہنچائیں اور انہیں مانگنے پر مجبور نہ کریں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف علماء کا وقار گھٹ جاتا ہے بلکہ اس سے خود علم دین کی تحقیر بھی ہوتی ہے۔

۴۔ وہ علماء جو دینی خدمت گار ہوں اُن کے پاس جب کوئی رقم یا عطیہ بلا مطالبہ آ جائے تو پھر اس کو قبول کرنے کے لئے خواہ مخواہ تکلف نہ کرنا چاہئے۔

۵۔ ایسے اہل علم اپنی ضرورت کا روپیہ خود لے کر بقیہ دوسرے مستحقین کو دے سکتے ہیں، اور خاص کر علمی اداروں میں جو ماتحت لوگ یا معاون و مددگار ہوتے ہیں اُن میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۶۔ اس مسئلے میں کسی "فقہی ضابطہ" کی پیروی کرکے سختی سے کام لینا درست نہیں ہے۔ یعنی اس بارے میں ہر ایک کو ہر حالت میں "نصابی" پیمانے سے ناپنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ اسے لینے والے کی اخلاقی ذمہ داری پر چھوڑ دینا چاہئے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا فتوی ہے۔

۷۔ اب رہا معاملہ تملیک کا تو وہ اس ضابطہ کے تحت پورا ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ تملیک کے مسئلے پر مفصل بحث جو پچھلے باب میں گزر چکی ہے، اور فقہ حنفی کے فتاوی کی رُو سے واضح کیا جا چکا ہے کہ "شرعی حیلوں" کے چکر میں آکر تملیک کی حیثیت لکڑی کی ایک تلوار سے زیادہ نہیں رہ گئی ہے۔ کیونکہ "حیلہ" کر لینے سے زکاۃ کی رقم "شرعاً" کسی بھی مد میں استعمال کی جا سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کہ اس سے مدرسین کی تنخواہیں دینا اور عمارت بنانا بھی جائز ہے

ارباب ملت کے لئے ایک لمحۂ فکریہ!

واضح رہے کہ موجودہ دور میں یہ ایک اہم اور نازک مسئلہ ہو گیا ہے کہ آج کل اہل خیر حضرات علماء اور خاص کر دینی خدمت گاروں کا خیال نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے علماء کو باعزت طریقے سے زندگی گزارنے کے لئے دین کی تعلیم وتدریس اور اس کی نشر واشاعت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور موجودہ دور میں علم دین کے انحطاط کی ایک بہت بڑی وجہ علماء کی یہی ناقدری ہے۔ لہٰذا ہماری ملت کے ارباب فکر کو اس مشکل مسئلے کے حل کی طرف فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ علمی زوال کا شکوہ بالکل بیکار ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ مادیت کے دور میں دینی وعلمی معیار کو بلند کرنے اور علم دین کے میدان میں اچھے نتائج پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ باصلاحیت علماء اور اہل قلم حضرات کو معقول وظیفے دے کر تحقیق وتصنیف کے کام میں لگایا جائے اور پیش پا افتادہ مسائل (یعنی ہماری ملت آج فکری وتمدنی اعتبار سے جن مشکل حالات ومسائل سے دوچار ہے) ان کا حل قرآن اور حدیث کی روشنی میں نکالنے کی غرض سے مثبت انداز میں جدوجہد کی جائے۔ چنانچہ یہ زکاۃ کا ایک بہترین مصرف ہے، جس کی مشروعیت قرآن وحدیث اور فقہ تینوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس راہ میں جدوجہد کرنے بلکہ "علمی جہاد" کرنے والوں کا معیار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی ہر ممکن طریقے سے ہمت افزائی کی جائے۔ اس طرح ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں۔ جو صرف علمی اقتدار ہی سے برپا ہو سکتی ہے۔

اس بحث سے معترض کے وہ تمام دعوے باطل ہو گئے کہ علماء اور دینی خدمت گاروں کو کسی بھی حال میں زکاۃ کا مال لینا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا کرنے سے علم دین کا استخفاف لازم آتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی اس فاسد رائے کا اظہار اپنے مضمون میں جا بجا کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ماہنامہ برہان دہلی میں شائع شدہ زیر تبصرہ مضمون پڑھ کر شدت سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ فاضل مضمون نگار نے "دینی خدمت" اور "زکاۃ" کو لازم و ملزوم سمجھ لیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر "دینی خدمتگار" کا اولین حق ہے کہ زکاۃ کی رقم لے کر اپنے اوپر خرچ کرے۔ غالباً موصوف یہ بات محسوس نہ کر سکیں کہ انہوں نے دینی خدمت کو زکاۃ کے ساتھ مربوط کر کے اس بلند ترین کام کو کتنا پست کر دیا ہے اور دین کے حقیقی خدمتگاروں کی کس قدر توہین کی ہے۔"[15]

معترض نے اس موقع پر اگرچہ راقم سطور کے مفہوم و مدعا کو توڑ مروڑ کر اور اس میں نمک مرچ لگا کر پیش کیا ہے لیکن پھر بھی اصولی اعتبار سے قارئین مذکورہ بالا مباحث کے ملاحظہ کے بعد خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس سلسلے میں کس کی بات معقول اور کتاب و سنت اور فقہ اسلامی

---

[15] ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، ستمبر ۱۹۸۸ء ص ۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قریب ہے۔ اور پھر جو شخص قرآن و حدیث اور خلفاء سنتوں کا صراحتہً کو نظر انداز کر کے محض اپنی رائے و قیاس سے دین و شریعت میں گفتگو کرنا اور مغالطے پیدا کر کے ہوائیاں چھوڑنا شروع کردی۔ تو آپ اسے کس مقام پر فائز کریں گے؟ یہ فیصلہ کرنا میرا نہیں آپ کا کام ہے۔ کیونکہ راقم سطور کو کٹ حجتی ملاؤں کی طرح فتوے بازی کا کوئی شوق نہیں ہے یہ فن مبارک قسم کے ملاؤں ہی کو مبارک ہو، جو دات دن اسلئے بیہودے فتوے دے کر اکثر و بیشتر میاں بیوی میں "تفریق" کراتے رہتے ہیں۔ اور اس کار ثواب میں انہیں بڑا لطف آتا ہے۔ مگر اب انہیں اپنے کذب وافتراء کی قیمت چکانی پڑے گی۔ کیونکہ حق ہمیشہ غالب رہتا ہے، کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ۔ کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر نہ کردے گا؟

(محمد: ۲۹)　　(جاری)

© rasailojaraid.com